ہندستانی

ہندستانی اکیڈیمی کا تماہی رسالہ

جلد ۸	اپریل سنہ ۱۹۳۷ع	حصہ ۲

نیا آئین اکبری

از مولوی عبدالماجد صاحب دریابادی

آئین اکبری تو وہی ایک ہے ' سب کا جانا ہوا ' خوب سا پہچانا ہوا ; شہنشاہ اکبر کے انتظامی خط و خال کا آئینہ ' مغل اعظم کے دور اقبال کا افسانۂ پارینہ ; اب اُس میں کوئی جدت کیا پیدا کرے گا ' اور اطلس میں گزی گاڑھے کا پیوند کہاں سے لاکر لگائے گا ؟ —— لیکن اکبر اکیلے شہنشاہ ہند ہی کا نام تو نہیں ہوا ہے ' سخن کا بھی ایک شہنشاہ اِسی نام کا گزرا ہے - صدیوں قبل نہیں ' ابھی حال میں ' اور کہیں دور نہیں ' آپ کے شہر سے نزدیک الہ آباد میں ! وہ قدیم آئین اکبری تھا ' اقلیم ہند کے ایک فرماں روا کا کوکبۂ جلال - آج جدید آئین اکبری ہے اقلیم معانی کے ایک تاجدار کا پرتو جمال ! البتہ وہاں داستان گو تھا ابوالفضل ' اور یہاں عرض پرداز ہے ایک سراپا جہل ! —— خیر ' نمایش کے عجائب زار میں ایک اعجوبہ کا اضافہ اور سہی ! ادبی کانفرس میں ' ادیبوں اور شاعروں کے مجمع میں ' سخن گویوں اور سخن سنجوں کے جلسے میں ' ایک دیہاتی کی یہ جسارت ' اللہ اکبر ! بس یوں سمجھیے کہ گھوڑ دوڑ کے میدان میں ' جہاں بازیاں بڑے بڑے

شہسواروں کی لگ رہی ہیں ، وہیں ایک گوشے میں ایک نعلبند بھی ، کیل کانٹے سے لیس ، اپنا تھیلا لیے موجود !

ظرافت ، کلام اکبر کی نقیب بھی رہی ہے ، اور کمال اکبر کے حق میں نقاب بھی - یہ بالکل صحیح ، کہ اُن کے نام کو قہقہوں نے اُچھالا ، اور اُن کی شہرت کو تالیوں نے چمکایا - لیکن یہ بھی اُسی قدر صحیح ، کہ دنیا اُنھیں محض ایک دل‌لگی باز سمجھ کر ، اُن کے لطیفوں پر مٹتی رہی - اُن کی شوخیوں پر ہنستی مسکراتی ، اُن کے چٹکلوں پر لوٹتی کھلکھلاتی رہ گئی - اِدھر نظر کسی کی نہ گئی ، اور کسی ایک آدھ کی گئی ، تو وہ شمار میں نہیں ، کہ جس ساز سے یہ نغمے نکل رہے ہیں ، وہ خود کتنے سوز میں ڈوبا ہوا ہے ! یہ سب نے دیکھا کہ ایک پھر مرد ، شکر لپٹی ہوئی گولیاں سب کو تقسیم کرتے جاتے ہیں ، اور کھانے والے ہیں کہ فرط لذت و حلاوت سے ہونٹ چاٹ چاٹ کر رہ جاتے ہیں - یہ کسی نے نہ پوچھا کہ گولیاں جراثیم کش کیسی زبردست ہیں ، اور اُن میں تریاقیت کس غضب کی ہے !—— دستانے اگر نرم اور گداز مخمل کے ہیں ، تو کسے پڑی ہے جو یہ ٹٹول ٹٹول کر دیکھے ، کہ اندر ، پنجہ گوشت پوست کا بھی نہیں ، بلکہ فولاد کا ہے !

صاحب مثنوی ، مولوی معنوی رحمۃاللہ علیہ کے اِس رمز سے تو سب آگاہ ہیں کہ وہ سارے "سر دلبراں" "حدیث دیگراں" میں ادا کرتے جاتے ہیں - حضرت اکبر نے بھی کچھ سوانگ اِسی طرح کا بھرا ، اور جو کچھ زمانے کے کڑے تیوروں کے لحاظ سے نہ کہہ سکے ، اُسے قہقہوں کے شور اور تالیوں کی گونج میں کہہ گئے ، اور عذر خواہی یہ کرتے گئے -

سرد موسم ہے ، ہوائیں چل رہی ہیں برفبار
شاہد معنیٰ نے اُوڑھا ہے ظرافت کا لحاف

فرمانے کو تو خدا جانے کیا کیا فرما گئے ہیں - مذہب اور روحانیت، اخلاق اور معاشرت ، تعلیم اور سیاسیات ؛ کوئی گوشہ اُن کے دائرۂ التفات سے باہر کب رہنے پایا ہے - اِس ساری داستان کے دہرانے کی قوت کس میں ؟ اور اگر کوئی ہمت کر بھی جائے ، تو سننے والوں کو اِتنی فرصت کہاں ؟ لیکن اکبر اپنا ایک مخصوص پیام بھی لےکر آئے تھے - گھوم پھر کر ، اُلٹ پلٹ کر ، منادی اُسی کی کرتے رہے - کوئی سنے یا نہ سنے ، یا سنے اور سن کر بھی نہ سمجھے - بہر حال اپنا پیام اُنھوں نے سنا سب کو دیا - اُسی پیام کا نام اگر آئین اکبری رکھ دیا گیا ، تو کچھ بیجا نہ ہوا -

---

پیام کچھ دقیق و پیچیدہ نہیں ، کوئی غامض فلسفہ نہیں ، سیدھی سادی سی بات صرف ایک لفظ میں ادا ہو سکتی ہے—پیام "خودداری" کا ہے - مشرقی سے کہتے ہیں کہ مشرقی رہ ، ہندی کو تعلیم دیتے ہیں کہ ہندی بنا رہ ، مسلمان کے لیے تلقین ہے کہ خبردار اسلام سے نہ ہٹ—اِس ایک ترانے کو خدا جانے کتنے دل‌کش نغموں میں ، کتنے دلاویز سروں میں ، بیشمار بار دہرایا ہے -

نو آموز مشرقی کو دانش‌گاہ فرنگ میں داخل ہوتے ہی پہلا سبق جو ملتا ہے ، وہ بے حیائی اور بے ناموسی کا ہے ، جس کا نام اُستادوں کی اصطلاح میں "حریت نسواں" ہے - "صاحب" اور "میم صاحب" کے کھلے خزانے میل جول کو ، بے پردہ اختلاط کو دیکھ وہ کہنے لگتا ہے کہ ہماری زندگی بھی اب تک کوئی زندگی رہی ہے ، خانگی زندگی بھی کوئی زندگی ہے ، وہی صبح سے شام تک ماں باپ کی اطاعت ، بڑوں کی رضا جوئی ، بھائی بہنوں سے میل جول ، نماز اور قرآن ، مسجد اور گھر کی انگنائی ! زندگی نام ہے ، آرٹ کا ؛ "فائن آرٹس" کا ، پکچر گیلری کا ،

ڈراما کا، سنیما کا، ٹاکیز کا، ریڈیو کا، گانے کا، ناچنے کا، اپنی بیوی کو دوسروں کے پہلو میں بٹھانے کا، دوسروں کی بیویوں کے ساتھ خود رقص کرنے کا، اب پردہ اُس کے نزدیک سب سے بڑی "قید" ہے اور سب سے پہلے اِسی قید سے وہ اپنے اسیروں کو رہا کرتا ہے - نتائج و عواقب کی تلاش اکبر کے کسی کلیات میں نہ کیجیے، اُنھیں تو آپ روزمرہ اخبارات کے صفحات میں، عدالتوں کی کارروائیوں میں، اور خود اپنے گرد و پیش براہ راست و بلا واسطہ مشاہدہ فرما لیں - اکبر ایک اس قسم کے منظر سے متعلق صرف ایک سوال کرکے رہ جاتے ہیں :—

کیا گزری جو اک پردے کے عدو رو رو کے پولس سے کہتے تھے
بیوی بھی گئیں عزت بھی گئی، دولت بھی گئی زیور بھی گیا؟

اِس بے نقابی اور بے حجابی کو عقل و فہم سے جس حد تک تعلق ہے، غیرت و حیا کے یہ جہاں تک موافق ہے، اکبر اِس پر کوئی ناصحانہ خطبہ نہیں ارشاد فرماتے، کوئی فلسفیانہ مقالہ نہیں سناتے - ایک رباعی میں ایک چبھتا ہوا سا فقرہ خود اِنھیں بیبیوں کی زبان سے کہہ جاتے ہیں - فقرے کو حسن قبول وہ عطا ہوتا ہے کہ اِس چالیس پینتالیس سال کے اندر بیشمار بار زبانوں پر آ چکا ہے، بیشمار محفلوں کو گرما چکا ہے، بوڑھے تو بوڑھے، بچوں میں بھی کم ایسے ہوں گے، جو نہ سن چکے ہوں :—

کل بے حجاب آئیں نظر چند بیبیاں
اکبر زمیں میں غیرت قومی سے گڑ گیا
پوچھا جو اُن سے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا
کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا

عورت کی بےعصمتی کے مقابلے میں ہمارے آپ کے بزرگوں نے، مذہب و اخلاق کے رہنماؤں نے، جو سب سے زیادہ مضبوط بند باندھا تھا، وہ خود

عورت کی شرافت کا تھا - اپنے ہاں کی شریف زادیوں کی ' اپنی بہو بیٹیوں کی حیا اور غیرت کی ؛ ہم قسم کھایا کرتے تھے ' اور مگن تھے اِس خیال میں کہ دنیا اِدھر کی اُدھر ہو جائے ' اِن حیا کی پتلیوں کا آنچل بھی کوئی دیکھ سکتا ہے ؟ اور اِس محال کو ممکن اگر فرض بھی کر لیا جائے ' تو اِن کے بھائی اور باپ ' اور بیٹے اور شوہر اِنھیں زندہ کیوں چھوڑنے لگے ؟ یہ ہمارے مردانہ خون کی گرمی ہے کس دن کے لیے ؟ آنکھ اگر بیجا اُٹھی ' تو آنکھ ہی نہ پھوڑ کر رکھ دی جائےگی - پیر اگر بیجا پڑا ' تو پیر ہی نہ کاٹ کر پھینک دیا جائے گا ؟ " تہذیب " کا لشکر جب حملہ آور ہوا ' تو پہلی گولہ باری ہمارے اِنھیں قلعوں اور برجوں پر ہوئی ' اور آن کی آن میں ' " صاحب " کے اقبال سے ہمارے یہ سارے دھس اور دمدمے مسمار ! وہاں تو سبق ہی اِس کا ملا کہ اب تک جن نظاروں پر اپنا خون کھولاتے تھے ' اُن پر فخر کرو ' اُنھیں اپنے حق میں نعمت سمجھو ' نعمت ! ناز کرو اپنی اِس خوش بختی پر کہ بام ترقی کے زینے پر قدم رکھنے کا شرف نصب ہوگیا !

خدا کے فضل سے بیوی میاں دونوں مہذب ہیں

حجاب اِن کو نہیں آتا ' اُنھیں غصہ نہیں آتا

اِس دربار دُربار میں تو عزت و تقرب کا معیار ہی یہ ہے ' کہ خود بھی ناچیے اور جو کل تک گھر کی ملکہ تھی اُسے بھی چار دیواری سے باھر لاکر ' دوسروں کے ساتھ نچائیے -

پاکر خطاب ' ناچ کا بھی ذوق ہوگیا

"سر" ہوگئے ' تو "بال" کا بھی شوق ہوگیا

یہ " سر " اور " بال " کی مناسبت کیا خوب !

زنانہ اسکول اور کالج اکبر کے زمانے میں بھی اچھے خاصے کھل چکے تھے - اپنی قوم کی صاحبزادیوں کو " چراغ خانہ " سے " شمع محفل " بنتے اپنی آنکھ سے دیکھ چکے تھے ' لیکن " ترقی " کے آثار تو قوم میں اب بھی کوئی نہ دکھائی دیتے ! مذہب و روحانیت کے تخیل کو الگ رکھیے ' کم از کم یہ تو ہوتا کہ دنیا جلت بن گئی ہوتی - عقبیٰ چلی تو چلی ' دنیا ہی ہاتھ آ جاتی ! مشاہدہ اِس کے بر عکس !

ترقی کی تہمیں ہم پر چڑھا کیں | گھٹتا کی دولت ؛ اسپیچیں بڑھا کیں
وہیں ہر پھر کے آیا ' بی نصیبن | وہ گو اسکول میں برسوں پڑھا کیں

یہ نقش اول تھا ' کلیات حصہ اول میں - نقش ثانی ' کلیات حصۂ سوم میں ملاحظہ ہو - مرقع وہی ' آب و رنگ پیشتر سے زائد -

اِک پیر نے تہذیب سے لڑکے کو اُبھارا [۱]
اِک پیر نے تعلیم سے لڑکی کو سنوارا [۲]
کچھ جوڑ تو اُن میں کے ہوئے بال [۳] میں رقصاں [۴]
باقی جو تھے گھر اُن کا تھا افلاس کا مارا
بھرا وہ بنا کیمپ میں یہ بن گئیں آیا

---

[۱]—" پیر " سے کھلا ہوا اشارہ سر سید کی جانب ہے -

[۲]—" پیر " سے اشارہ ہے ' جسٹس سید کرامت حسین (الٰہ آباد) کی جانب - اُنھوں نے الٰہ آباد سے آ کر لکھنؤ میں لاکھ ڈیڑھ لاکھ کا سرمایہ لگا کر مسلم گرلز اسکول قائم کیا تھا - حضرت اکبر انھیں " پیر نسواں " کہا کرتے تھے - شعر میں بھی لائے ہیں -

ترقی پر خدا کے فضل سے ہے بزم رنداں بھی
فقط پیر مغاں تھے آگئے اب پیر نسواں بھی

[۳]—انگریزی ناچ ' جس میں مرد عورت مل کر ناچتے ہیں -

[۴]—وہ ہاتھ سے یوں بے ہاتھ ہوئے اور غیروں میں جذب ہو کر رہے -

بی بی نہ رہیں جب تو میاں پن بھی سدھارا [۱]

انجام :—

دونوں جو کہیں ملتے ہیں گاتے ہیں یہ مصرعہ

آغـــاز سے بدتر ہے سـرانجـام ھمـارا

ایک مسلم نہیں، ہندو خاتون کو نصیحت کرتے ہیں (اور نصیحت کرنے میں ہنستے نہیں) کہ کہیں سرے سے لکھنے پڑھنے ہی سے روک دینا تھوڑے ہی منظور ہے - مقصود تو فرنگن بننے سے روکنا ہے -

پڑھ لکھ کے اپنے گھر ہی میں دیوی بنی رہو -

اور یاد یہ رکھو کہ :

مشرق کی چال ڈھال کا معمول اور ہے

مغرب کے ناز و رقص کا اسکول اور ہے

حد سے جو بڑھ گیا تو ہے اُس کا عمل خراب

آج اُس کا خوشنما ہے مگر ہوگا کل خراب

یہ کونسل اور اسمبلی اور ڈسٹرکٹ بورڈ اور میونسپلٹی میں عورتوں کی ممبری کا "حق" تو اب حاصل ہوا ہے، اکبر کے زمانے میں ترقی کی رو یہاں تک کہاں پہونچنے پائی تھی - لیکن نگاہ دور رس نے بہت سی آگے کی باتیں بھی دیکھ لی تھیں - پچیس تیس سال اُدھر ایک ٹھنڈی سانس کے ساتھ فرماتے ہیں کہ خودداری پر قایم رہنے والی نسل اب باقی ہے کہاں ؟

چل بسے وہ جنہیں مقدور تھا خودداری کا

---

[۱] —مصرعے کے الفاظ سن کر، جی چاہے خوب ہنس لیجیے، معنی پر غور کر جی چاہے خوب آنسو بہا لیجیے -

اب تو دور دورہ اُن کا ھے ، جو خود ھی بری طرح مغرب زدہ ھیں -

شرم مشرق کے عدو ، شہوۂ مغرب کے شہید -

اُن کی ھنسی اور اُن کی خوشی تک ، ' صاحب ' کی ھنسی اور صاحب ' کی خوشی کی تابع !

رمضان ساعت کر کٹ ھے ، تھیٹر میں ھے عید
نئی تہذیب نئی راہ نیا رنگ جہاں
دور گردوں کی کہاں تک کوئی کرتا تردید
نتیجہ یہ نکلا ، کہ -

زھرہ ممبر ھوئیں ووٹر تھیں جناب خورشید

اِس پر ،

دبی آواز کہا بھی جو کسی نے کہ جناب
کچھ مناسب نہیں اِس وقت میں ایسی تمہید

آپ کے مردوں ھی کے کون سے کارنامے ھیں کہ اب آپ عورتوں کو بھی اسٹیج پر لانے لگے -

شیخ صاحب ھی کا ھے بزم میں کیا رعب و وقار
کہ خواتین کو پبلک میں ھو وقعت کی امید

اِس دقیانوسیت کو اِس زمانے میں برداشت کون کر سکتا ھے -

نعرے تحقیر کے اِس پر ھوئے یاروں میں بلند

اور تو اور ،

لڑکیاں بول اُٹھیں خود بہ طریق تائید
دولہا بھائی کی ھے یہ رائے نہایت عمدہ
ساتھ تعلیم کے تفریح کی حاجت ھے شدید

اور شعر تو یہ ہے ، نظم بھر کی جان :

خود تو گت پت کے لیے جان دیے دیتے ہو
ہم یہ تاکید کہ پڑھ بیٹھ کے قرآن مجید

تماشے کا آخری پردہ :

اکبر افسردہ شد از گرمی این طرز سخن
شیخ بگریخت و در صومعۂ خویش خزید

آدم کے بیٹوں اور حوا کی بیٹیوں کی زبان پر ترانۂ مسرت :

کھل گئے در نہ رہا شاہد مشرق کو حجاب
غل مچا ہرے کا بول اُٹھے یہ مغرب کے مرید
للہ الحمد کہ آن چیز کہ خاطر می خواست
آخر آمد ز پس پردۂ تقدیر پدید

آج زندہ ہوتے ، تو اِس وقت تک کے واقعات کو دیکھ دیکھ خدا جانے کیا کیا کہہ گئے ہوتے ! اُس وقت بھی قطعات میں ، رباعیات میں ، تو بہت کچھ کہہ ہی گئے ہیں ، غزلیں تک اِس پیامی شاعری سے خالی نہیں - ایک پرانی غزل ہے ، بیبیاں کب تک ، تیلیاں کب تک کی زمین میں - اِس زمین میں بھی یہ گلفشانیاں موجود !..........

اِک صدائے درد ہے کہ چین نہیں لینے دیتی ، کسی نہ کسی پہلو سے لب پر آہ بن کر آ ہی جاتی ہے -

بٹھائی جائیں گی پردے میں بیبیاں کب تک
بنے رہو گے تم اِس ملک میں میاں کب تک
حرم سرا کی حفاظت کو تیغ ہی نہ رہی
تو کام دیں گی یہ چلمن کی تیلیاں کب تک

جو منہ دکھائی کی ہے رسم پر مصر ابلیس
تو منہ چھپائیں گی حوا کی بیٹیاں کب تک

انجام جو ہونا ہے ، وہ آغاز ہی سے ظاہر ہے -

سنا ہے حضرت اکبر ہیں حامی پردہ
مگر وہ کتب اور اُنکی رباعیاں کب تک

غزل سنہ ۱۸۹۱ع کی ہے ، یہ ۱۹۳۷ع ہے ، ۴۵ سال قبل کا یہ کشف ! اللہ اکبر !

خیال نہ گزرے کہ " آئین اکبری " کی یہی ایک دفعہ ، یا اہم ترین دفعہ ہے - یہ آزادی نسواں کا بے پناہ طوفان ہے - اِس آئین کا مرکزی نقطہ تو وہی خودداری ہے - اپنی شرافت کا تحفظ ، اپنے تمدن کا تحفظ ، اپنی آن بان کا تحفظ - جس جس پہلو سے اُنہوں نے اغیار کو حملہ آور ہوتے دیکھا ، بس اُس اُس سمت اُنہوں نے اپنے الہامی پہادوں کے پرے جما دیے ہیں -

پڑھ لکھ کر ، کون اپنے محلے کے کھنڈر میں پڑا رہا ہے ؟ "ولایت" دیدہ اور صاحب رسیدہ ہونے کے بعد کس نے مسجد میں جاکر نماز جماعت پڑھی ہے ، یہ تعلیم اپنوں سے چھڑانے والی ہوئی ہے یا اپنوں کو اور زیادہ اپنا بنانے والی ؟ اکبر اِس منظر کو دیکھتے ہیں ، مگر کن آنکھوں سے ؟

نہ مسجد میں نظر آتے نہ رہتے ہیں محلوں میں
ترقی پا کے بس مل جاتے ہیں برگد کے گلوں میں !

اگلی سادگی اور اخلاص مندی اور مرکزیت کی جگہ قدم قدم پر خود غرضی ، ذاتی نمود کا زور ، اور زبان پر قومی بیداری کا نمایشی وظیفہ !

١٠ق٦٢

نہ وہ مسجد نہ جماعت نہ وہ طاعت نہ دعا
نہ وہ گل ہیں نہ وہ گلشن نہ وہ سبزہ نہ ہوا
نہ قناعت نہ توکل نہ وہ خودداری ہے
جاہ و شہرت کی تمنا میں گرفتاری ہے

سب سے پہلا پھندا، مشرق کی گردن کے لیے یہ تیار ہوتا ہے کہ غلامی ہو تو ہو، لیکن ایسی بابرکت، سرتاپا رحمت، حکومت بھی کبھی نصیب میں آئی تھی؟ یہ ریل، تار، ڈاک، عدالتیں، کاؤنسلیں، یہ آنکھوں میں چکا چوند پیدا کردینے والی ایجادیں، پہلے کبھی خواب میں بھی نظر آئی تھیں؟ اِس کا عکس اکبر کے جام جم میں ملاحظہ ہو:—

بہت ہی عمدہ ہے اے ہمنشیں برٹش راج
کہ ہر طرح کے ضوابط بھی ہیں اصول بھی ہے
نگاہ کرتے ہیں حاکم بہت تعمق سے
تمہاری عرض میں گو کچھ زیادہ طول بھی ہے
عطا ہوئی ہے یہ اسپیکروں کو آزادی
کہ حاکموں میں ہے قالؔ تو یاں اقول بھی ہے
محل صل علیٰ، ڈاک و تار کی ہے روش
اگرچہ دل میں نہاں عظمت رسول بھی ہے
جگہ بھی ملتی ہے کونسل میں آنریبلی کی
جو التماس ہو عمدہ تو وہ قبول بھی ہے
چمک دمک کی وہ چیزیں ہیں ہر طرف پھیلی
کہ آنکھ محو ہے خاطر اگر ملول بھی ہے
اندھیری رات میں جنگل میں ہے رواں انجن
کہ جس کو دیکھ کے حیران چشم غول بھی ہے

جب اِتنی نعمتیں موجود ہیں یہاں ، "اکبر"
تو حرج کیا ہے جو ساتھ اِس کے "ڈیم فول" بھی ہے

یہی رنگ آگے چل کر اور زیادہ نکھر جاتا ہے ، اور کافی کے پھول خوش رنگ و خوش نما تو پہلے ہی سے تھے ، لوجیے اب خوشبو بھی آنے لگی :—

کیوں نہ اپنے دل کو ہو اُن سے ملاپ — لاٹ صاحب ہیں ہمارے مائی باپ
اُن کی بڑھتی سب مناتے ہیں یہاں — خواہ وہ ہوں خواہ ہم ہوں خواہ آپ
ہر طرف سامان ہوں آرام کے — کھل گئی ہے ہر طرف ہر شے کی شاپ
ہوگئے روشن حدود آسماں — علم چمکا ، ہوگئی تاروں کی ناپ
ساری دھرتی دب گئی سائنس سے — لگ گئے پائپ ، گیا دنیا سے پاپ
حضرت واعظ ہیں راضی رقص پر — دیر ہے اب کیا ، پڑے طبلے پہ تھاپ

اپنی اصل اور اپنی نسل پر شرمانے والے بھائی بند آپ کی نظر سے بھی بارہا گزرے ہونگے - بس کی بات نہیں ، ورنہ یہ اپنے چہرے کے رنگ کو چھیل کر پھینک دیتے ، اپنے ماں باپ کا نام بدل ڈالتے ، اپنی قومیت ، وطنیت سب دیسی سے ولایتی کرلیتے - اکبر کی نگاہ سے کہاں بچ سکتے تھے ؟ اکبر کی نظر ، انسانیت کے اِن مسخ شدہ نمونوں پر پڑتی ہے ، اِن بیچاروں کی مغرب زدگی پر وہ ترس نہیں کھاتے ، کچھ زیادہ غصہ بھی نہیں کرتے ، مسکرا کر رہ جاتے ہیں - اِس تبسم کی جگمگاہٹ دیکھنے کے قابل ہے :—

مشرق میں ولادت پر راضی نہ تھے یہ بندے
چارہ ہی مگر کیا تھا ، فطرت جو یہاں جن دے
جو جس کے مناسب تھا گردوں نے کیا پیدا
یاروں کے لیے عہدے ، چڑیوں کے لیے پھندے

مسکراہٹ کی جلوہ نمائی ہوچکی- اب ذرا ہنسی کی کھل کھلاہٹ ملاحظہ ہو - معنی کی طرف جائیے تو تمام تر مرثیت ، اور محض ظاہر تک رہیے تو ظرافت ہی ظرافت - مدت کی بات ہے ، کبھی امیر خسرو اور ملا جامی کوے محبوب میں ، گدائی کے لیے نکلے تھے ، اور ایک صدا لگاتے چلے گئے تھے - اکبر نے بھی وہی پرانا خرقہ نکال ، جابجا پیوند لگا ہی لیا - ہاتھ میں کشکول گدائی وہی - لب پر صداے فقیرانہ وہی ، لیلاے تہذیب پر جان وادی ، اور ایمان نثار کرنے چلے ہیں ، اور الاپتے جاتے ہیں -

اے شوق وضع مغربی ، در ما فگندی ابتری
ہرچند مشقت میکنم لیکن تو زاں بالا تری
شیخم شہید جلوہما اُفتادہ در کمپ شما
باشد کہ از بہر خدا سوے شہیداں بنگری
سحر نگاہت ناز من ، مرکوز طبعت راز من
ہر نغمہ‌ات بر ساز من ، حقا عجائب دلبری
تو سیلہ گشتی ، دل شدم ، تیچر شدی ، پیوپل شدم
تا کس نگوید بعد ازیں ، من دیگرم تو دیگری
ہر چند با تو بستہ ام از طعن اکبر خستہ ام
للہ لطفے خاص کن پیدا بحق نیچری

شراب طہور کا مزہ کہتے ہیں کہ اِسی دنیوی شراب کا سا ہوگا - یہی تیزی ، یہی تندی ، یہی جوش و خروش - اثرات اِس سے بالکل الگ - نہ کسی قسم کا نشہ ، نہ زوال عقل ، نہ خمار ، نہ گرانی - اکبر کے خمخانے میں اِس شراب طہور کے جام جتنے چاہیے چڑھاتے چلے جائیے -

———

خودی کی بقا ' خودداری کے تحفظ کے لیے جو کچھ کہنا ہے ' محض مسلمانوں ہی سے بہ طور سرگوشی نہیں کہتے ' ہندوؤں مسلمانوں کے بھرے مجمع میں سب کو سناکر کہتے ہیں ؛ اور بعض دفعہ تو رخ بالکل ہندوؤں ہی کی طرف پھیر کر کہتے ہیں :—

ہوٹل سے بھلا پرہیز تمھیں اب پنڈت جی مہراج کہاں
سچ بات کہی جسنے یہ کہا جب لاگ گئی تب لاج کہاں

اور کبھی ہندو بھائی بندوں میں ایسا گھل مل جاتے ہیں کہ اُن کے غیر معلوم ہی نہیں ہوتے ' بلکہ اُن کے اپنے نظر آنے لگتے ہیں :—

زبان سنسکرت اِس وقت پنڈت جی سے کہتی ہے
کہ اچھا ہے مری الفت تمھارے دل میں رہتی ہے
میں خوش ہوں گی بلا شک تم اگر مجھ کو جلاؤگے
مگر وہسکی پلاؤگے کہ گنگا جل پلاؤگے ؟

خوب جانتے ہیں کہ دربار فرنگ میں قدر نہ مسجد کی نہ مندر کی ' پرسش نہ ملا کی نہ برہمن کی ' اُس سرکار میں تو ایک ہی اعزاز—— خلعت غلامی ! اور اُس رجسٹر میں تو قومیت کا ایک ہی خانہ—— نیٹو یا کالا آدمی !

وہ محض عیش کریں ' ہم آپ صرف ہل چلائیں ' وہاں تمام تر خواجگی و حکومت ' یہاں سرتاسر شکستگی و عبودیت ' اُدھر افراط تنعم سے مدہوشی ' اِدھر فاقہ کشی سے غش پر غش ' اُن کی کوٹھیوں میں زر و جواہر کے خزینے ' اپنی جھونپڑیوں میں افلاس و فقر کے پسینے ! یہ منظر ہم آپ سب ہی روز مرہ دیکھتے رہتے ہیں - اکبر کی زبان سے سنیے ' تو یہی ٹریجڈی ' کامیڈی بن جائے اور حزنیہ ' گھڑی بھر کے لیے طربیہ نظر آجائے :—

سمجھا رہے تھے مجھ کو کمت کی وہ گردشیں
خود کر رہے تھے تاک کی تتّی سے سازشیں
نقشے میں دیکھتا تھا ، وہ پیتے تھے جام مے
میں نے کہا " حضور ، یہ مضمون عجیب ہے
میں خود تو مست بادۂ عشرت کے خم سے آپ
اُلجھا رہے ہیں مجھ کو ستاروں کی دم سے آپ "
بولے کہ " اِس زمیں میں کوئی اور شعر بھی ؟ "
میں نے کہا "یہ بات مرے ذہن میں بھی تھی -
اللہ رے ارتقائے سگان در حضور
کل تو سے تم ہوئے تھے ، ہوئے آج تم سے آپ "
ہنس کر دیا اُنہوں نے اُلٹ بحث کا ورق
گانے لگے وہ گیت میں پڑھنے لگا سبق

یہ کونسل ، اسمبلی ، الکشن ، ووٹ ، کے رنگا رنگ و خوش‌نما کھلونے اِس بڑی تعداد میں تو اب نکل پڑے ہیں ، لیکن اِن کی اچھی خاصی کھیپ اکبر کے زمانے میں بھی ، ولایت سے آچکی تھی - اور ہندوستان بہت سی بازیوں کے ساتھ اِس نئی بازی کی بساط پر جھکا ہوا کھیل میں فرق ، دنیا اور آخرت دونوں کو بھول چکا تھا - اکبر اِن کھلونوں سے دل لگاتے تو کیا ، البتہ جی بہلایا اِن سے خوب ہی - جو کچھ اپنی عینک سے دیکھتے دوسروں کو بھی دکھانا چاہتے ——— یہ اور بات ہے کہ دیکھتا کون ؟ یہاں سرے سے دیدۂ بصارت ہی غائب ہو چکا تھا -

قوم کے دل میں کھوٹ ہے پیدا — اچھے اچھے ہیں ووٹ کے شیدا
کیوں نہیں پڑتا عقل کا سایہ — اِس کو سمجھیں فرض کفایہ

بھائی بھائی میں ہاتھا پائی　　سلف گورنمنٹ آگے آئی
پانوں کا ہوش اب فکر، نہ سر کی　　ووٹ کی دھن میں بن گئے پھرکی

یہی راگ ایک دوسری دھن میں :—

ہر سمت مچی ہوئی ہے ہلچل　　ہر در پہ یہ شور ہے کہ چل چل
ٹمٹم ہو کہ گاڑیاں کہ موٹر　　جس پر دیکھو لدے ہیں ووٹر
شاہی وہ ہے یا پیمبری ہے　　آخر کیا شے یہ ممبری ہے
نیٹو ہے نمود ہی کا محتاج　　کونسل تو ہے اُن کی جن کا ہے راج
ہم لوگ جو اِس میں پھنس رہے ہیں　　اغیار بھی دل میں ہنس رہے ہیں
در اصل نہ دین ہے نہ دنیا　　پنجرے میں پھدک رہی ہے منیا

یہی تصویر ایک اور رخ سے :—

عزیز لڑتے ہیں آپس میں یہ ستم کیا ہے
خدا کی مار سے ووٹوں کی مار کم کیا ہے

کہتے باتیں سب ہی کے کام کی، لیکن قدرتاً اپنی جماعت اور قوم (مسلمانوں) کا غم اور زیادہ کھائے جاتا - اپنی آنکھوں سے ہر وقت دیکھتے کہ کہا سے کیا ہوئے جا رہے ہیں، قدم بجائے کدھر کے کدھر پڑتے جا رہے ہیں - دل روتا چہرہ ہنستا ہوا بناتے - غم کی گھٹن، کوشش تھی کہ قہقہوں کی گونج میں دب کر رہ جائے - لکچروں میں ترقی کا شور سن، خود بھی اچھے ہم قوموں کو ترقی کے طریقوں پر ایک طویل لکچر دینا شروع کر دیتے ہیں :—

پیدا ہوئے ہیں ہند میں اِس عہد میں جو آپ
خالق کا شکر کیجیے آرام کیجیے

بے انتہا مفید ہیں یہ مغربی علوم
تحصیل اِن کی بھی سحر و شام کیجیے
یورپ میں پھریے پیرس و لندن کو دیکھیے
تحقیق ملک کاشغر و شام کیجیے
ہو جائیے طریقۂ مغرب پہ مطمئن
خاطر سے محو خطرۂ انجام کیجیے
الفاظ کفر و فسق کو بس بھول جائیے
ہر ملت و طریق کا اکرام کیجیے
رہیے جہاں میں وسعت مشرب سے نیکنام
مسلم کو مرید، ہندوں کو رام کیجیے
رکھیے نمود و شہرت و اعزاز پر نظر
دولت کو صرف کیجیے اور نام کیجیے
سامان جمع کیجیے، کوٹھی بنائیے
با صد خلوص دعوت حکام کیجیے
یاران ہم مذاق سے ہم بزم ہوجیے
موقع ملے تو شغل مے و جام کیجیے
نظارۂ مساں سے تر و تازہ رکھیے آنکھ
تفریح پارک میں سحر و شام کیجیے
زنجیر فقہ توڑیے کہہ کر خلاف شرع
مضمون لکھیے دعوے اِلہام کیجیے

اور شعر یہ کہا ہے:

مذہب کا نام لیجیے، عامل نہ ہوجیے
جو متفق نہ ہو اُسے بدنام کیجیے

اِس کے بعد قدرتاً بس یہی کہنا رہ جاتا ہے :

لیکن نہ بن پڑیں جو یہ باتیں حضور سے

مردوں کے ساتھ قبر میں آرام کیجیے

درد آشنا دلوں سے پوچھیے کہ اِس تصویر میں کچھ بھی مبالغہ ہے ؟ اِس شاعری میں کہیں سے بھی شاعری ہے ؟ آج ہمارے علم' ہمارے ادب ' ہماری زبان ' ہماری شرافت ' ہماری تاریخ ' کسی کی کچھ بھی وقعت ہے' عزت ہے' اہمیت ہے' جب تک کہ "صاحب" کا صداقت نامہ بھی ساتھ ساتھ نہ ہو ؟ بس ایک "صاحب" کی بات بالا' اور اُس کے علاوہ سب کچھ ہیچ - اکبر اپنی اِس ہیچ مرزی کو خوب ہی محسوس کرتے ہیں :—

دور فلک کا ماجرا آپ سے کیا بیاں کریں

تفرقہ دیکھیے ذرا ہم پہ پڑے عجیب دن

جان سپرد ڈاکٹر' مال سپرد آنجناب

عقل سپرد ماسٹر' روح سپرد ڈارون !

ایک جگہ قومی زندگی کے انتشار کا نوحہ پڑھتے ہیں ' لیکن کمال یہاں بھی وہی قائم کہ مرثیت کا چہرہ زندہ دلی کی چادر میں چھپا ہوا :—

کوئی کہتا ہے رکھو صاحب سے میل — کہ آنر کی گھر میں رہے ریل پیل

کسی کی صدا ہے کہ ہندو بھلے — مری انجمن بھی اِسی رخ چلے

کسی سمت کونسل کی ہے دل میں چوٹ — عوض لاٹھ کے آپس میں چلتے ہیں ووٹ

کسی کو ہے مضموں نگاری کی دھن — کوئی چندہ دینے کو سمجھا ہے پُن

زندگی کا کوئی ایک شعبہ ہو' تو کہا جائے ؛ یہاں تو ساری کی ساری زندگی اِسی غلامانہ ذہنیت یا انگریزی کی ایک علمی اصطلاح میں Inferiority Complex کی نذر ! اچھے ہاں کا بڑے سے بڑا موچی بھی

ذلیل ' لیکن فرنگستان کی باٹا کمپنی معزز ! سرا بوٹ سے بڑی بھی ہو' اُس کا مالک بیچارہ محض بھٹھیارا ' ہوٹل لگا ہوا بھی ہو ' اُس کا کارندہ بہرحال منیجر ! گلی ڈنڈے کا نام آئے ' تو آپ شرما جائیں ' کرکٹ اور ہاکی کا ذکر ہو' تو چہرے فخر و مسرت سے جگمگا اُٹھیں - فقیہ ہونا دقیانوسیت کے مترادف ' ایڈوکیٹ اور بیرسٹر ہونا اعزاز و مرتبے کا پروانہ - غرض دینی و دنیوی بڑی چھوٹی ہر چیز اِسی دماغی مرعوبیت کا شکار ' اِسی ذہنی غلامی کی پیداوار ! حضرت اکبر ' خودداری کے اِس قحط کو ' اغیار کے اِس ہمہ‌گیر تسلط کو دیکھ کر تڑپ جاتے ہیں ؛ لیکن کمال ضبط یہ ہے کہ دل کی دکھن کو بھی ظرافت کی پھلجھڑی بنا کر پیش کرتے ہیں :—

مرزا غریب چپ ہیں اُن کی کتاب ردّی

بدھو اکڑ رہے ہیں ' صاحب نے یہ کہا ہے

اور پھر ردیف ' قافیہ ' اور وزن بدل کر :

مرے عمل سے نہ شیخ خوش ہیں' نہ بھائی خوش ہیں' نہ باپ خوش ہیں

مگر میں سمجھا ہوں اِس کو اچھا ؛ دلیل یہ ہے کہ آپ خوش ہیں

" صاحب " کی زبان سے طعنے بارہا مل چکے ہیں کہ ہندی طلبہ ' سب کچھ پڑھ چکنے کے بعد بھی وہ کلچر ' وہ آراستگی خیال اپنے اندر نہیں رکھتے ہیں ' جو فرنگی زادوں میں گھر گھر موجود ہے - اِس طنز کے محققانہ اور سنجیدہ جوابات تو بارہا ہو چکے ہیں ' اِس وقت ایک لطیف جواب اکبر کی زبان سے سنیئے یہ طرز جواب حصہ ہے اکبر کا :

کر چکا کالج میں جب تکمیل فن — تب یہ بولے مجھ سے مسٹر مارسن

گو کہ شہرت ہے تمہاری دور دور — مجھ‌سا تم رکھتے نہیں عقل و شعور

اُستاد کے طعن کے جواب میں شاگرد عرض کرتا ہے' کہ قصور معاف ' یہ خطا کس کی ؟ شاگرد کی یا اُستاد کی ؟

آپ نے سیکھا ہے اپنے باپ سے اور میں نے جو پڑھا وہ آپ سے !

مغربی اُستادوں کی زبان سے چند الفاظ ہم نے سیکھ لیے ہیں ' کچھ بے معنی سے - زبانوں پر وہی رٹا ہوا آموختہ رہتا ہے ' اور دل اُنہیں مقاصد لایعنی کی دھن میں سرگرم - 'تعلیم' 'اعلیٰ تعلیم' 'جبری تعلیم' 'ترقی' 'روشن خیالی' ارتقا' 'بس یہ چند منتر ہیں' جن کے ساحرانہ اثر سے کون واقف نہیں - اکبر نے اِن میں سے دو لفظ "چندہ" اور "اسکول" انتخاب کرلیے ' اور اِنہیں ایک مخمس کی ٹیپ بنا ' اِن سے خوب خوب کام لیے ہیں :—

بکری کو ساگ پات کا سودا نہیں رہا
بنگالیوں کو بھات کا سودا نہیں رہا
چوروں کو اپنی گھات کا سودا نہیں رہا
اور شاطروں کو مات کا سودا نہیں رہا
اُلجھا ہوا ہے چندہ و اسکول سے ہر ایک

بنیوں کو اخذ سود کی فرصت نہیں رہی
منعم کو داد و جود کی فرصت نہیں رہی
لڑکوں کو کھیل کود کی فرصت نہیں رہی
کودن کو غت‌ربود کی فرصت نہیں رہی
اُلجھا ہوا ہے چندہ و اسکول سے ہر ایک

گاہک کو مول بھاو کی پروا نہیں رہی
مانجھی کو اپنی ناو کی پروا نہیں رہی
دل کو کہیں لگاو کی پروا نہیں رہی
چوہوں کو نان پاو کی پروا نہیں رہی
اُلجھا ہوا ہے چندہ و اسکول سے ہر ایک

اِسی طرح برابر تیپ پر تیپ جماتے چلے گئے ہیں اور خاتمے پر فرماتے ہیں :

پنڈت پرا جما کے بنارس پہ آ رہے
مرکت کے شیخ شہر بھی 'نو' 'یس' پہ آ رہے

حالی غزل کو چھوڑ ' مسدس پہ آ رہے
ہم فرد تھے ' سو ہم بھی مخمس پہ آ رہے

اُلجھا ہوا ہے چندہ و اسکول سے ہر ایک

ادراک اگر صحیح رہتا ' تو پھر بھی اُمید اصلاح تھی - لیکن جب سرے سے ادراک ھی غلط ہو جائے سفید سیاہ اور سیاہ ' سفید نظر آنے لگے ; تعلیم ' قلب کی قلب ماہیت کردے اور اکبر ھی کی پیشگوئی :

دل بدل جائیں گے تعلیم بدل جانے سے

واقعہ بن کر رہے ; تو پھر علاج کس کے بس میں رہ جاتا ہے ؟ اکبر کو حیرت بار بار اِسی اُلٹی سمجھ پر ہوتی ہے ' اور دعوت وہ اِسی کی دیتے ہیں کہ صحیح غور فکر کرنا سیکھو ' اور اندھیرے میں وھم کو حقیقت کا درجہ نہ دے بیٹھو - یہ سارا دلفریب منظر ترقی ' محض سراب ہے یا حقیقتاً جوے آب ؟

تہذیب نو جسے تم کہتے ہو ' اُس سے ' اکبر
دنیا بگڑ رہی ہے اب ' یا سنور رہی ہے ؟
نقشوں کو تم نہ جانچو' خلقت سے مل کے دیکھو
کیا ہو رہا ہے آخر ' کیسی گذر رہی ہے
دل میں خوشی بہت ہے یا رنج اور تردد
کیا چیز جی رہی ہے ' کیا چیز مر رہی ہے

شاعر، ظریف شاعر سہی، بہر حال انسان ہی ہوتا ہے - دل میں ناسور پڑ چکے ہوں، تو بشرے کو ہنستا مسکراتا ہوا کب تک رکھا جاسکتا ہے - دل کی کسک آخر اپنے پورے زور کے ساتھ زبان پر آ کر رہے گی - خودداریوں کا خون روزانہ اپنے گرد و پیش ہوتے ہوئے دیکھ، شاعر کا دل خود خون ہو چکا ہے، اپنے عشرت کدے کے کھنڈر پر آکر رکتا ہے، در و دیوار کی گری ہوئی ایک ایک اینٹ کو حسرت و یاس کی نگاہوں سے دیکھتا ہے، دل بھرا آتا ہے، لب پر آہ سرد ہے، اور زبان پر دھیمے سروں میں یہ مرثیہ !

پیر و مرشد نے کیا قوم میں بچپن پیدا
وہ یہ سمجھے تھے کہ ہو جائے گا جوبن پیدا
وہ تو پیدا نہ ہوا ہاتھ سے لوگوں کے مگر
ہو چلے دین کی دیوار میں روزن پیدا

اِسی مضمون کو ایک بار فرما چکے تھے :—

واہ کیا راہ دکھائی ہے ہمیں سید نے
کر دیا کعبے کو گم اور کلیسا نہ ملا

اب اُسی مرثیے کے سلسلے میں پھر کہتے ہیں :—

پستئی قوم کے جب آ گئے دن، اے اکبر
اونچے درجوں میں ہوئے عقل کے دشمن پیدا
باپ کے خون سے ہوگی جو حمیت زائل
ہوں گے اطفال بھی بےغیرت و کودن پیدا
صورت برگ خزاں‌دیدہ پھریں گے اُڑتے
نہ بہار آئے گی پھر، ہوں گے نہ گلشن پیدا

کون کہتا ہے کہ تو علم نہ پڑھ عقل نہ سیکھ
کون کہتا ہے نہ کر حسرت لندن پیدا
بس یہ کہتا ہوں کہ ملت کے معانی کو نہ بھول
راہ قومی کا تو خود ہی نہ ہو رہزن پیدا
'قوم' 'قوم' اٹھ پھر سکتے ہیں ہم' قوم کہاں
تار باقی نہیں' تو کرتا ہے دامن پیدا
مذہبی شاخ فقط ہے' تری قومی ہستی
یہ جو ٹوٹی' تو نہیں کوئی نشیمن پیدا
سلف رسپکٹ کا پھر یاد رہے گا نہ سبق
پھر نہیں ہونے کی یہ بحث تو و من پیدا
بزم تہذیب سے ہو جائیں گے قطعاً خارج
حس ہی باقی نہ رہے گا کہ ہو شیون پیدا

"آئین اکبری" کا آغاز آپ دیکھ چکے' اب انجام ملاحظہ ہو - بچپن کی شوخیاں' بڑھاپے کی جھریوں سے کوئی مناسبت رکھتی ہیں؟ شادیانوں کی دھوم مچ چکی' اب نوحے کے بول بھی کان میں پڑ جائیں - آج سنہ ۱۹۳۷ع میں ہم کو آپ کو جو کچھ بہ چشم شہود نظر آ رہا ہے' شاعر اُمت اور حکیم ملت کی نگاہ کشفی نے اُسے تیس پینتیس سال قبل ہی صفائی کے ساتھ پڑھ لیا تھا - آنکھیں نم ہوئی جاتی ہیں' لفظ لفظ پر کلیجا تھامے جاتے ہیں' اور جو کچھ خود دیکھ رہے تھے' دوسروں کو دکھاتے جا رہے ہیں :-

یہ موجودہ طریقے راہی ملک عدم ہوں گے
نئی تہذیب ہوگی اور نئے ساماں بہم ہوں گے

نئے عنواں سے زینت دکھائیں گے حسیں اپنی
نہ ایسا پیچ زلفوں میں نہ گیسو میں یہ خم ہوں گے

نہ خاتونوں میں رہ جائے گی یہ پردے کی پابندی
نہ گھونگھٹ اِس طرح سے حاجب روئے صنم ہوں گے

بدل جائے گا انداز طبائع دور گردوں سے
نئی صورت کی خوشیاں اور نئے اسباب غم ہوں گے

عقائد پر قیامت آئے گی ترمیم ملت سے
نیا کعبہ بنے گا، مغربی پتلے صنم ہوں گے

ہماری اصطلاحوں سے زباں نا آشنا ہوگی
لغات مغربی بازار کی بھاکا سے ضم ہوں گے

بدل جائے گا معیار شرافت چشم دنیا میں
زیادہ تھے جو اپنے زعم میں وہ سب سے کم ہوں گے

کسی کو اِس تغیر کا نہ حس ہوگا نہ غم ہوگا
ہوئے جس ساز سے پیدا اُسی کے زیر و بم ہوں گے

تمہیں اِس انقلاب دہر کا کیا غم ہے اے "اکبر"
بہت نزدیک ہیں وہ دن نہ تم ہوگے نہ ہم ہوں گے

انقلاب دہر، اپنے وقت پر بہر حال آیا، آگیا وہ دن کہ اِس کا غم کھانے والا اکبر نہ رہا - اور آ رہا ہے وہ دن کہ گو "آئین اکبری" جدید کے سننے والے ماشاء اللہ زندہ رہیں گے، لیکن سنانے والا، خود ایک افسانۂ پارینہ بن چکا ہو گا -

———